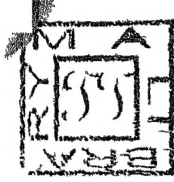




1416

---





انتخابِ کلامِ سکندر علی "وجد"

انجمن ترقی اردو (ہند)  
علی گڑھ

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U32208

Sikander Ali Tajid  
Addl. Sessions Judge  
VANDIED  
(Hyderabad State,

ALICHAH.  
UNIVERSITY  
وجہ

انتخاب کلام سکندر علی وجد

مخرج جناب داکتر راج بابو  
کتاب

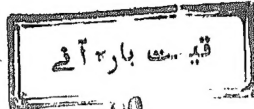
انجمن ترقی اردو (ہند)  
علی گڑھ  
۱۹۰۶  
۱۱

دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء

پہلا ایڈیشن

(۲) روپے

قیمت



CHECKED-2002

*[Handwritten signature]*

ناشر

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مطبوعہ

ہاشم پرنٹنگ پریس چھتہ بازار  
حیدرآباد دکن

سکندر علی وجد سنہ ۱۹۱۲ء  
 میں پیدا ہوئے ، ویجاپور ضلع  
 اورنگ آباد کے باشندے ہیں ۔  
 عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈگری لے کر  
 سرکاری ملازمت میں شریک ہوئے ۔  
 اچکل حیدر آباد کے ضلع سنگاریڈی  
 میں ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ ہیں ۔  
 سنہ ۱۹۳۰ء میں شاعری کا ذوق  
 شروع ہوا ۔ ابتدائی کلام کا مجموعہ  
 ”لہو ترنگ“ سنہ ۱۹۴۴ء میں شائع  
 ہوا تھا ۔ دوسرا مجموعہ ”افتاب تازہ“  
 اسی سال شائع ہوا ہے ۔

اردو کے ذوجوان شعرا میں  
 وجد کا ایک خاص مقام ہے ۔ ان کے  
 کلام کی روح ان کی فطرت کا  
 سوز و گداز ہے ۔



## فہرست

صفحہ	عنوان
۱	جگنو
۴	اجنتا
۹	تاج محل
۱۲	اہستہ گزر
۱۳ تا ۱۸	غزلیں
۱۹	ایلو را
۲۲ و ۲۳	غزلیں
۲۴	رقاصہ
۳۱	غزل
۳۳	عالم اشوب
۳۵ تا ۳۷	غزلیں

## جگنو

برسات کی رات تھی اندھیری  
کچھ نیند اچٹ گئی تھی میری  
پانی جو برس کے کھل گیا تھا  
دنیا کا غبار دھل گیا تھا  
تاریک تھی شب مگر سُہانی  
جیسے بھٹکی ہوئی جوانی  
بیدار تھی صحن میں اکیلی  
پھولوں سے لدی ہوئی چنبیلی  
نکھت برباد ہو رہی تھی  
مخلوق تمام سو رہی تھی  
اتنے میں جو رو چلی ہوا کی  
قہقہہ ہی چھک گئی فضا کی

ہونے لگی جگنو کی بارش  
 فطرت کے جہال کی تراوش  
 'اتش افروز بام و در تھے  
 لیکن یہ شرار بے ضرر تھے  
 اک عالمِ نور جلوہ گر تھا  
 گھر کیا تھا مطمحِ سحر تھا  
 'انگن میں تپاں تھے برق پارے  
 رقصاں تھے زمین پر ستارے  
 لہروں پہ ہوا کے بہہ رہے تھے  
 نکھری ہری کھکشاں کے ڈکڑے  
 جگنو اس طرح اُڑ رہے تھے  
 شیروں میں پر لگے ہوئے تھے  
 پارے کی پہاڑ پڑ رہی تھی  
 'اکاش سے دھوپ جھڑ رہی تھی

ظلمت موتی لٹا رہی تھی  
 پریوں کی برات جا رہی تھی  
 افشاں کا غبار تھا چمن پر  
 پھولوں کے چھک رہے تھے جھومر  
 پیپل تو چنار بن رہا تھا  
 ہر شاخ سے نور چھن رہا تھا  
 میں اس منظر میں کھو گیا تھا  
 ہر روند گیا اُنکھ ہو گیا تھا  
 روشن تھی کائنات ہر سو  
 دل میں بھی چھک رہے تھے جگنو

(۱۹۴۷)

## اجنتا

جہاں خونِ جگر پیتے رہے اہلِ ہنر برسوں  
جہاں گھلتا رہا رنگوں میں اہوں کا اثر برسوں  
جہاں کھنچتا رہا پتھر پہ عکسِ خیر و شر برسوں  
جہاں قائم رہے گی جنتِ قلب و نظر برسوں  
جہاں دغھے جنم لیتے ہیں رنگینی برستی ہے  
دکن کی گود میں اباد وہ خوابوں کی بستی ہے

شرابِ کہنہ کی تاثیر ہے ڈھنڈی ہواؤں میں  
بہارِ زندگی غلطاں ہے سبزے کی اداؤں میں  
خواہ سرمہ دی اتی ہے جھرنوں کی صداؤں میں  
بیباں مہکن نہیں وہ لطفِ اتا ہے دعاؤں میں  
یہاں صدیوں سے رائج پرسکوں شیریں مقالی ہے  
یہاں کا ذرہ ذرہ مظہرِ شانِ جمالی ہے

تجلی زارِ عرفاں ، شاہکارِ ابنِ آدم ہے  
 سرِ فطرتِ عمل کی بارگاہِ حسن میں خمر ہے  
 تہدُن منعکس ہو جس میں ایسا سا غرِ جمر ہے  
 جمالِ زندگی رہنِ جلالِ عزمِ گوتم ہے  
 امیدِ جان تازہ پھر دلِ بسمل میں اڈی تھی  
 تلاشِ امن میں تم ڈیب اس منزل میں اڈی تھی

حریمِ کعبۃٴ فن ، معبدِ نازک خیالاں ہے  
 جہانِ نور و نہایت مسکنِ الشفتہ حالاں ہے  
 جنوں افشاں فضا میں مستیِ چشمِ غرالاں ہے  
 لبِ جوئے کہستانِ جلوہ گاہِ خوش جہالاں ہے  
 ملا ہے زندگی کو بانگِ پین ان کج کلاہوں سے  
 نظر و الوں پہ شہ شیریں برستی ہیں نگاہوں سے

بہانہ مل گیا اہل جنوں کو حسن کاری کا  
 اثاثہ لوٹ ڈالا شوق میں فصل بہاری کا  
 چٹانوں پر بنایا نقش دل کی بیقراری کا  
 سکھایا گر اُسے جذبات کی آئینہ داری کا  
 دل کہسار میں محفوظ اپنی داستان رکھ دی  
 جگر داروں نے بنیادِ جہان جاوداں رکھ دی

ہنرمندوں نے تصویروں میں گویا جان بھر دی ہے  
 ترازو دل میں ہو جاتی ہے وہ کافرِ ذخار دی ہے  
 اداوں سے عیاں ہے لذتِ دردِ جگر دی ہے  
 کھلیں گے راز اس ڈر سے دھن پر مہر کر دی ہے  
 یہ تصویریں بظاہر سادگت و خاموش رہتی ہیں  
 مگر اہلِ نظر پوچھیں تو دل کی بات کہتی ہیں

کہیں پیدا ہے ساری کیفیتِ صحنِ گستاں کی  
 کہیں رونقِ نظرِ اتی ہے بازارِ شبستاں کی  
 کہیں حیرتِ زبانِ حال ہے حالِ پریشاں کی  
 لکیریں ہیں کہ شریانیں دلِ انسان و حیوان کی  
 کہیں ظلمت کے پیچھے روشنی محسوس ہوتی ہے  
 کہیں تو موت میں بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

جگر کے خون سے کھینچے گئے ہیں نقشِ لاٹانی  
 تصدق جن کے ہر خط پر تحیرِ خانہٴ مادی  
 مشکل ہے شباب و حسن میں تخیلِ انسانی  
 تقدس کے سہارے جی رہا ہے ذوقِ عریانی  
 گستاںِ اجنتا پر جنوں کا راج ہے گویا  
 یہاں جذبات کے اظہار کی معراج ہے گویا

کرشمہ ہے یہ اربابِ ہِمَم کی سعیِ پیہم کا  
 جنہیں احساس تک باقی نہ تھا کچھ شادی و غم کا  
 دلوں پر عکس کھینچ آیا تھا جن کے حسنِ عالم کا  
 قلم کو نقش از بر ہو گیا تھا اسمِ اعظم کا  
 چٹانوں پر شباب و حسن کی موجیں رواں کر دیں  
 فسوں کا روں نے رنگوں میں مقید بجلیاں کر دیں  
 جہاں چھوڑا خوشی سے جاوداں پیغام کی خاطر  
 خوشامد اہلِ دولت کی نہیں کی نام کی خاطر  
 نہ چھاندی خاک در در کی کسی انعام کی خاطر  
 جیسے بھی کام کی خاطر مرے بھی کام کی خاطر  
 زمانے کی جذبیں پر عکس چھوڑے ہیں نگاہوں کے  
 رہیں گے نقشِ ان کے نام مٹ جائیں گے شاہوں کے  
 (۱۹۳۸)

## تاج محل

اے بارگاہِ حسن ترا فیض عام ہے  
دریائے مہر و لطف رواں صبح و شام ہے  
تو کشتہٴ وفا کا سہانا پیغام ہے  
فانی زمیں پہ نقش بقائے دوام ہے  
جادو نگاہِ عشق کا پتھر پہ چل گیا  
الفیت کا خوابِ قالبِ مرمر میں ڈھل گیا

گلریز رنگِ خونِ دلِ حسنِ کار ہے  
اس باغِ بے خزاں میں ہمیشہ بہار ہے  
پانی پہ عکسِ قلبِ صفتِ بیقرار ہے  
جمنا ترے شباب کی اڈینہ دار ہے  
ہیبت سے تیری دلکشی بے پناہ کی  
گنبد پہ کاندپتی ہے کرنِ مہر و ماہ کی

یہ زرد و زمر دھوپ یہ پرکیٹ وقتِ شام  
 کندن بنے ہوے در و دیوار و سقف و بام  
 خورشید کر رہا ہے تجھے آخری سلام  
 وہ قلبِ شرق چیر کے نکلا مہِ تھام  
 جو نہی رواں سفینہٴ مہتاب ہو گیا  
 تو موجِ خیز قلمِ سیلاب ہو گیا

بہزادِ عصر ہیں تری گل کاریوں پہ دنگ  
 منظر کشِ بہارِ چمن ہے جبینِ سنگ  
 کلیوں کا وہ نکہار وہ گلِ ہائے رنگِ رنگ  
 فانوسِ شمع کشتہ سے لپٹے ہوئے پتنگ  
 رنگینیاں ہیں جوہرِ اہلِ کمال کی  
 چھنتی ہے جالیوں سے نزاکتِ خیال کی

تو نقشِ ارزو ہے مجسمِ زمین پر  
 آنکھوں نے تیرے حسن کی مے پی ہے اس قدر  
 اک سر خوشی ہے قلب میں سرشار ہے نذر  
 بیٹھا ہوں پاؤں وقت کی اُھٹ سے بے خبر  
 ارزاں قدم قدم پہ سکونِ حیات ہے  
 تیری حریمِ ناز میں دن ہے نہ رات ہے

(۱۹۳۹)

## آہستہ گزر!

اے موسمِ خوش گوار آہستہ گزر  
اے عکسِ جمالِ یار آہستہ گزر  
زندہاں میں نہ ہو جاے قیامت برپا  
اے قافلۂ بہار آہستہ گزر

اے حُسنِ شتابکار آہستہ گزر  
اے زینتِ رہگزار آہستہ گزر  
پھر تشنگی دید بڑھی جاتی ہے  
اے حاصلِ انتظار آہستہ گزر

ہر سہمت ہے خار زار آہستہ گزر  
دامنِ نہ ہو تار تار آہستہ گزر  
ہر مشکلِ راہ خود ہی آسان ہوگی  
اے رہرو بیقرار آہستہ گزر

(۱۹۳۹)

قفس میں بھی مری خوے پر افشانی نہیں جاتی  
 نفس گم ہے مگر فکرِ غزلخوانی نہیں جاتی  
 زمانہ ہے کہ محوِ شست و شو ہے ایک مدت سے  
 گلیمِ فقرے بوے جہانبانی نہیں جاتی  
 مصور حسنِ روز افزوں سے مثلِ نقشِ حیرت ہے  
 تری تصویر جب بنتی ہے پہچانی نہیں جاتی  
 شہیمِ عطر افشاں پردہ پوشِ حالِ گلشن ہے  
 ہوا کے ساتھ پھولوں کی پریشانی نہیں جاتی  
 مسلسل لٹ رہا ہے کاروانِ رنگ و بو لیکن  
 بہارِ زندگی کی گلِ بدامانی نہیں جاتی  
 دل روشن ہے حسنِ شاہدِ ہستی کا 'اٹینہ  
 سوادِ دیدۂ شاعر سے حیرانی نہیں جاتی  
 (۱۹۴۰)

کیفیت جو روح پہ طاری ہے تجھے کیا معلوم  
 عمر انکھوں میں گزاری ہے تجھے کیا معلوم  
 نگہ اولِ بیباک نے میرے دل پر  
 تیری تصویر اتاری ہے تجھے کیا معلوم  
 مہر یا قہر تیرے چاہنے والے کے لیے  
 ہر ادا جان سے پیاری ہے تجھے کیا معلوم  
 ایک مدت سے یہاں عمرِ رواں تیرے بغیر  
 وقفِ الہم شہاری ہے تجھے کیا معلوم  
 وقت کٹتا ہی نہیں صبحِ مسرت اجا  
 راتِ بیہار پہ بھاری ہے تجھے کیا معلوم  
 خندہ زن صورتِ گلِ دامنِ صد چاک مرا  
 پرچمِ فصلِ بہاری ہے تجھے کیا معلوم  
 گلِ نوخاستہ کا نٹوں کو حقارت سے نہ دیکھ  
 کس کی تقدیر میں خواری ہے تجھے کیا معلوم  
 (۱۹۴۱)

روشن سحر و شام ہے ایوانِ تمنا  
 مہر و مہ و انجام ہیں چراغانِ تمنا  
 ظلمتِ کدۂ دل کو سحر زار بنادے  
 اللہ دے فروغِ رخِ تابانِ تمنا  
 مطلوب ہے اک جلوۂ عریانِ حقیقت  
 کرتا ہے جنوں چاکِ گریبانِ تمنا  
 بیکار ہیں سب گلشنِ ہستی کی بہاریں  
 جب دل نہ رہا طفلِ دبستانِ تمنا  
 کوشش تو بہت کی غمِ دوراں کی ہوا نے  
 گل ہو نہ سکی شمعِ شبستانِ تمنا  
 اجاے ابھی چہرۂ ہستی پہ تبسم  
 درکار ہے خونِ دلِ مردانِ تمنا

(۱۹۴۲)

ظلمتِ شب ہی سحر ہو جائے گی  
 شدتِ غم چارہ گر ہو جائے گی  
 رونے والے یوں مصیبت پر ذہ رو  
 زندگی اک درد سر ہو جائے گی  
 بعدِ تھمیر مکانِ زنجیرِ غم  
 الفتِ دیوار و در ہو جائے گی  
 لا دلیلِ عشق و مستی درمیاں  
 ختمِ بحثِ خیر و شر ہو جائے گی  
 ذکرِ اپنا جابجا اچھا نہیں  
 سب کھادی بے اثر ہو جائے گی  
 صرفِ غمِ 'اتشیں درکار ہے  
 عمرِ سرگرمِ سفر ہو جائے گی  
 'ارہا ہے انقلابِ حشر خیز  
 زندگی زیرِ و زبر ہو جائے گی

(۱۹۴۳)

ہزار نقص ہیں مجھ میں مرے کمال کو دیکھ،  
 مجھے نہ دیکھ دل 'اویزی خیال کو دیکھ،  
 گدائے حسن ترا خوگر سوال نہیں،  
 نگاہ شوق میں رعنائی سوال کو دیکھ  
 نسیمِ صبح کی اٹکھیلیوں سے برہم ہے  
 چمن میں پھول کے چہرے پہ اشتعال کو دیکھ،  
 غبارِ رند ہے یا خاکِ ساقیِ مہوش  
 ادب سے چوم کے ہر ساغرِ سفال کو دیکھ  
 ہجومِ جلوہ بداماں اداے خود بینی  
 نگاہِ صبر سے 'ارائشِ جہال کو دیکھ  
 رہے گی وجدِ تری کائناتِ دل برہم  
 کہا تھا کس نے کہ اس حسنِ بے مثال کو دیکھ

(۱۹۴۴)

۳۲۲۰۱

درد کو نیچا دکھانا 'اگیا  
چوٹ کھا کر مسکرا نا 'اگیا

مرثیہ خوانی سے اب گھٹتا ہے دم  
زندگی کا گیت گانا 'اگیا

رنجِ ناکامی سے دل بچھتا نہیں  
وقت سے زور 'ازمانا 'اگیا

اُس کو سب کچھ 'اگیا سمجھو جسے  
دوسروں کے کام 'انا 'اگیا

وجد رکھتے ہی جوانی میں قدم  
حسن کو بجلی گرا نا 'اگیا  
(۱۹۴۵)

## ایلورا

مٹے خیال ہے سنگین 'اب گینوں میں  
دلوں کا سوز نہاں پتھروں کے سینوں میں  
چھپا ہے نورِ ازل بہت ہیں 'استینوں میں  
حیانتِ جذب ہے ان بے شکن جبینوں میں  
یہاں جو سیر کو فکرِ دسا نکالتی ہے  
وخورِ شوق میں پر بہت کی سانس چلتی ہے

عیاں ہیں عرصۂ ہستی کے سببِ نشیب و فراز  
ہوی ہے روئے حقیقت سے دور گردِ مجاز  
ملی جو ذوقِ عمل کو خیال کی پرواز  
نشاطِ کار نے کردی حیاتِ کارِ دراز  
کہندہ گردشِ ایام کے اسیر نہیں  
نقوشِ دستِ عقیدت فنا پذیر نہیں

عظیم عزم تھے جانباز نقش کاروں کے  
 خزاں کی فکر نہ ارمان تھے بہاروں کے  
 دلوں میں خواب تھے بیدار کو ہساروں کے  
 نظر عقاب کی تیشے تھے برق پاروں کے  
 تصورات کے پیکر تراش ڈالے ہیں  
 دیے وہ دل جو ہمیشہ دھڑکنے والے ہیں

بنائی تیشہ وروں کے خیال کی دنیا  
 کھائی ہوئی ہے عروج و زوال کی دنیا  
 جنوں نواز جلال و جمال کی دنیا  
 رہیں محنتِ ماضی ہے حال کی دنیا  
 نجوم ڈوب گئے جلوۂ سحر کے لیے  
 ہوا ہے خونِ دل اس جنتِ نظر کے لیے

نگار خانہ عالم کا عکس یہ وادی  
 ہزار حشر بد اماں خہوش آبادی  
 ہنوروں کو تھی عرضِ ہنر کی آزادی  
 یہاں نہیں ہے کوی نقشِ نقشِ فریادی  
 غلامِ مرضیِ حالاتِ حسنِ کار نہیں  
 کمالِ فکر کے شہکارِ اشتہار نہیں

سکونِ روحِ اس 'اغوشِ کوہسار' میں ہے  
 یہ زندہ خوابِ کسی چشمِ انتظار میں ہے  
 زماںِ شام و سحرِ دل کے اختیار میں ہے  
 زمانہ محوِ یہاں جستجوے یار میں ہے  
 نگاہِ ڈھونڈ رہی ہے نشانِ نہیں ملتا  
 غبارِ سامنے ہے کارواںِ نہیں ملتا

(۱۹۴۶)

دُور گردِ خس و خاشاکِ ہوی جاتی ہے  
 سارے عالم کی فضا پاکِ ہوی جاتی ہے  
 کس قدر زور پہ ہے نشۂ سہبائے بہار  
 ہر شگوفے کی قبا چاکِ ہوی جاتی ہے  
 دیکھ شہبازِ خردِ مائلِ پروازِ ہوا  
 ابھی پیمائشِ افلاکِ ہوی جاتی ہے  
 علم کے نور سے اب تابۂ گزرگاہِ خیال  
 وسعتِ سرحدِ ادراکِ ہوی جاتی ہے  
 آتشِ عزم کو پھونکوں سے بجھانے والو  
 زندگی شعلۂ بیباکِ ہوی جاتی ہے  
 وجدِ معصومیِ تکرارِ تبسم کے نثار  
 عاشقی شعرِ طربناکِ ہوی جاتی ہے  
 (۱۹۴۶)

بیابانوں پہ زندانوں پہ ویرانوں پہ کیا گُزری  
 جہانِ ہوش میں اے تو دیوانوں پہ کیا گُزری  
 دکھاؤں تجھکو منظر کیا گلوں کی پادشاہی کا  
 چمن سے پوچھ لے دوخیز ارمانوں پہ کیا گُزری  
 بہار اُٹے تو خود ہی لالہ و نرگس بتادیں گے  
 خزاں کے دور میں دلکش گاستانوں پہ کیا گُزری  
 نشانِ شمع محفل ہے نہ خاکِ اہلِ محفل ہے  
 سحر اب پوچھتی ہے رات پروانوں پہ کیا گُزری  
 ہمارا ہی سفینہ تیرے طوفانوں کا باعث تھا  
 ہمارے ڈوبنے کے بعد طوفانوں پہ کیا گُزری  
 میں اکثر سوچتا ہوں وجدِ ان کی مہربانی سے  
 بہ کچھ گُزری ہے اپنوں پر تو بیگانوں پہ کیا گُزری

(۱۹۴۸)

## رقاصہ

بدنِ زندگی کا چھلکتا پیالا  
چمن کی بہاروں نے پھولوں میں پالا  
جنوں کو نزاکت کے قالب میں ڈھالا  
امنگوں کی لہروں پہ باہر نکالا  
نگاہوں کی جنتِ دلوں کا اجالا  
جمالِ اجنتا ، جلالِ ہمالا  
اُٹھی موجِ مے کی طرح انجمن میں  
بدلنے لگی کروٹیں جانِ تن میں

قدِ دلربا، حُسنِ بیباک چنچل  
 ہلالی بھوئیں رُوے روشن پہ بیکل  
 جبیں پر تِلکِ لال، آنکھوں میں کاجل  
 مدیرا بھرے ذہنِ مستی سے بوجھل  
 لطافتِ مجسم، جوانی مکمل  
 نظرِ شعر، رفتارِ نغمہ مسلسل  
 عجب رنگ سے روٹھ کر من رہی ہے  
 سرِ بزمِ قوسِ قزح بن رہی ہے

اندھیرے میں شب تاب مشعل جلی ہے  
 مخالفِ ہواؤں کی زد پر پلی ہے  
 ابھی کھانے والی مہکتی کای ہے  
 جوانی کے سانچے میں بجلی ڈھلی ہے  
 شفق رنگ چہرے پہ افشاں ملی ہے  
 دمِ ساز پر جگمگاتی چلی ہے  
 یہ بھٹکی ہوئی لہر ہے چاندنی کی  
 تجلی میں ہے دلکشی راز کی سی

کبھی جوشِ مستی میں طاوسِ رقصاں  
 کبھی چشمِ زرگس کے مانند حیراں  
 کبھی صورتِ گلِ سراسر پریشاں  
 کبھی مستِ بادل، کبھی برقِ پیچاں  
 کبھی درِ غلطاں، کبھی موجِ طوفاں  
 کبھی سروِ سرکش، کبھی تیغِ عریاں  
 ہر اک جلوہ کچھ اس قدر مختصر ہے  
 تعاقب سے عاجزِ عقابِ نظر ہے

خیالِ افریں ، شاہکارِ جوانی  
 سراپاِ خبارِ مئے ارغوانی  
 اداؤں سے جذبات کی ترجمانی  
 نگاہوں میں گنجینہ ہاے معانی  
 ہر انداز پر دم بخود نکتہ دانی  
 خموشی تکلم ، تبسمِ کہانی  
 چھڑا راگ دھارے ملے حسن و فن کے  
 چلی ناؤ سنگمِ پتہ گنگ و جہن کے

سُکوں بخشِ رنگینِ دُخموں کے دھارے  
 حسیں جُنبشِ دست و پا کے سہارے  
 خم و پیچ پیکر کے نازک اشارے  
 نئی زندگی کے مظاہر ہیں سارے  
 بہشتِ تصورِ یہ دلکش نظارے  
 سرِ چرخ کجلا گئے چاند تارے  
 دل افروز منظر ہے صُبحِ چمن کا  
 تماشہ ہے سورج کی پہلی کرن کا

کمرِ تال کے ساتھ بل کھا رہی ہے  
 نظرِ شوق کی آگ بھڑکا رہی ہے  
 اداے تبسمِ غضب ڈھا رہی ہے  
 سرِ طورِ دل برق لہرا رہی ہے  
 ہواِ نغمۂ سرمدی گارہی ہے  
 یہاں عقل کو نیند سی ا رہی ہے  
 سراپا حقیقت بنی ہے فسادہ  
 نشانِ قدم چومتا ہے زمانہ

(۱۹۴۹)

ہمت کے چراغوں سے روشن  
 ہر راہگزر ہو جاتی ہے  
 پر عزمِ ننگاہِ راہرواں  
 سامانِ سفر ہو جاتی ہے  
 دلِ رنگ بدلتا ہے پیہر  
 چھٹتا ہے غبارِ شادی و غم  
 ہو وصل کی شبِ پناہ کی شب  
 ہر شب کی سحر ہو جاتی ہے  
 اب ننگ ہے اے اربابِ چمن  
 یہ پیرویِ اٹھین کہن  
 یوں عمر ہزاروں پھولوں کی  
 کانٹوں میں بسر ہو جاتی ہے

اے حسنِ عطا کے دیوانے  
 تو رازِ مشیت کیا جانے  
 بے سوز تمنّاوں سے دعا  
 محرومِ اثر ہو جاتی ہے  
 بجای کی طرح گرتی ہے ہمیشہ  
 دل پہ جوانِ معصومِ نظر  
 کیا بات ادھر سے ہوتی ہے  
 کیا بات ادھر ہو جاتی ہے  
 اے وجدِ جہانِ الفت میں  
 آرام کی صورت کیا ہوگی  
 دل اور پریشان ہوتا ہے  
 تسکین اگر ہو جاتی ہے

## عالم آشوب

تیرِ ہوس بے پیام دیکھیے کب تک رہے  
روے زمین لالہ فام دیکھیے کب تک رہے  
جہل کے کنجشک و بوم باغ میں آزاد و شاد  
مرغِ خرد زیرِ دام دیکھیے کب تک رہے  
مذہب و تہذیب کے فلسفۂ خام سے  
شغلِ فریبِ عوام دیکھیے کب تک رہے  
دیر سے بیتاب ہے روحِ عروسِ سحر  
مہرِ اسیرِ ظلام دیکھیے کب تک رہے  
ذریعتِ اہرمن مستِ مئے بیخودی  
خلقِ خدا تشنہ کام دیکھیے کب تک رہے

اہلِ نظر کے لیے تحفۂ دار و رسن  
 ظلم کا یہ انتظام دیکھیے کب تک رہے  
 نور سے محروم دن رنگ سے محروم رات  
 یہ روشِ صبح و شام دیکھیے کب تک رہے  
 'اج دوراھے پہ ہے قافلۂ زندگی  
 منزلِ حق چند گام دیکھیے کب تک رہے  
 مضطربِ انسان کو امن میسر نہیں  
 کارِ جہاں ناتھام دیکھیے کب تک رہے  
 زخمۂ سازِ حیات شورِ سلاسل میں گم  
 دھر میں 'ادم غلام دیکھیے کب تک رہے

(۱۹۵۱)

خوش جہالوں کی یاد اُتی ہے  
 بے مثالوں کی یاد اُتی ہے  
 باعثِ رشکِ مہر و ماہ تھے جو  
 اُن ہلالوں کی یاد اُتی ہے  
 جن کی آنکھوں میں تھا سرورِ غزل  
 اُن غزالوں کی یاد اُتی ہے  
 سادگی لا جواب ہے جن کی  
 اُن سوالوں کی یاد اُتی ہے  
 ذکرِ سنتے ہی نوجوانی کا  
 کچھ خیالوں کی یاد اُتی ہے  
 جانے والے کبھی نہیں اُتے  
 جانے والوں کی یاد اُتی ہے  
 وجدِ لطیفِ سخنِ مبارک ہوا!  
 باکمالوں کی یاد اُتی ہے  
 (۱۹۵۲)

اے جانِ تمنا ان میں زرا  
 اندازِ کرم شامل کر دے  
 تم میں تیری نگاہوں کے قرباں  
 تکمیلِ شکستِ دل کر دے  
 اُثارِ تجلی پیدا ہیں  
 ہشیارِ دل دیدارِ طلب  
 نیرنگی جاوے بے پایاں  
 پردے نہ کہیں حائل کر دے  
 ساحلِ نہ تو سن لی موجوں سے  
 'الامِ دلِ دریا کی خبر  
 اب کوی دلِ دریا کو بھی  
 مانوسِ غمِ ساحل کر دے

وام پاور سہیل

کچھ سعی و طیب کا جوش بڑھے  
ظلمت پہ سنہرا رنگ چڑھے  
اے ذوقِ جنوں دینے والے  
مشکل کو بہت مشکل کر دے  
فرسودہ کتابوں کی دنیا  
رنگین حبابوں کی دنیا  
طوفانِ حوادثِ جلد کہیں  
یہ سحرِ کہن باطل کر دے  
اس عالمِ حیرت کا حاصل  
اے وجدِ حقیقت میں ہے وہ دل  
ہنگامِ سحرِ گلشن میں جسے

پھولوں کی نظر بسمل کر دے

(۱۹۵۲)



143  
(U1)

1915 P 1A

DUE DATE

143 P. 1A

129 1915231A  
(21)  
PPA

Date	No.	Date	No.